احمد ندیم قاسمی کی شاعری میں برداشت ورواداری......ایک جائزہ

ڈاکٹر سبینہ اویس
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو
گورنمنٹ کالج خواتین یونی ورسٹی، سیال کوٹ

Dr. Sabina Awais
Assistant Professor
Govt. College Women University
Sialkot.

Abstract

Literature is the interpretation of life, literature reflects the realities of life. Author and poet present in his literature of literature social discrimination, love humanity, tolerance, harmony and justice. Ahmad Nadeem Qasmi was known as progressive poet of literary circle. Nadeem wanted to establish a society based on justice. Nadeem wanted to eliminate discrimination among classes that is rampant in our society. Nadeem always dreamt of a society where human being is loved, equality, tolerance. This article is detailed study of humanism, tolerance, harmony that can be found in Nadeem's poetry. It also reveals Nadeem's effort for spreading tolerance, harmony, love in society.

ادب تفسیرِ حیات کا نام ہے۔ادب میں حیات اوراس کے نامحدود امکانات کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔ادب انسانی تجربات کا نچوڑ پیش کرتا ہے۔ادیب دنیا میں جو کچھ بھی سوچتا ہے جو تجربات بھی حاصل کرتا ہے، اس کا اظہار ادب کی صورت میں کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ادب زندگی کے وسیع ترین مسائل کا احاطہ کرتا ہے ادب اپنے عہد کی سچی روح کو محفوظ کرتا ہے اس میں سماجی ، سیاسی اور معاشی حالات و واقعات بھی پیش کیے جاتے ہیں۔گویا زندگی اپنی گونا گوں خصوصیات کے ساتھ ادب میں جلوہ گر ہوتی ہے۔آل احمد سرور کے مطابق ادب زندگی کی سچائیوں سے گریز نہیں کرسکتا اس لیے غیر شعوری طور پر سماجی بے انصافیوں، انسان دوستی، رواداری، برداشت، انصاف اور دنیا کی عظمت اور رنگارنگی کو بھی اپنے نالہ و نغمہ میں محفوظ کر لیتا ہے۔

ادیبوں اور شاعروں نے قوموں کی زندگی میں بڑے اہم فریضے ادا کیے ہیں۔انھوں نے جہاں شکسپیئر کی طرح انسانی فطرت کی الجھی ہوئی ڈوروں کو سلجھایا ہے وہاں رومی بن کر زندگی کے آداب بھی سکھائے ہیں۔انھوں نے جہاں ورڈز ورتھ کی زبان میں نیچر/ فطرت کی ترجمانی کی ہے وہاں حافظ کی طرح معاشرتی ریاکاری کا پردہ بھی چاک کِیا ہے۔

اچھے ادیب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی تحریروں میں مصنف کا خلوص بھی شامل ہو۔مصنف جو بات کہے وہ خلوص کے ساتھ محسوس بھی کرے اور اس کی کیفیت سے پورے طور پر گذرے جسے وہ پیش کرنا چاہتا ہے۔مصنف و شاعر اپنی تحریروں میں معاشرے کی عکاسی کرتا ہے وہ مثبت قدروں کے فروغ میں کوشاں ہوتا ہے۔

برداشت کا براہِ راست تعلق لوگوں کے بنیادی حقوق کے ساتھ ہے۔کسی بھی معاشرے میں جب لوگوں کے حقوق پایمال ہو رہے ہوں۔ان کے ساتھ امتیازی سکول کیا جائے انھیں انصاف فراہم نہ کیا جائے تو عدم برداشت کی صورت میں ان کا ردِّ عمل سامنے آتا ہے۔اگر یہ عدم برداشت بڑھ جائے تو معاشرے میں لڑائی جھگڑے، قتل و غارت اور دیگر مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اور معاشرہ تباہی کی طرف چل نکلتا ہے۔لہٰذا قومی یکجہتی اور امن و امان قائم کرنے میں انصاف رواداری اور برداشت خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

ادب کے تقریباً تمام ادیب اور شعرا معاشرے میں برداشت اور رواداری کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں جب معاشرے میں برداشت اور رواداری ہو گی تو امن ہو گا اور امن و انسانیت کی عظمت ترقی پسند نظریۂ ادب کا نمایاں ترین تصور ہے۔

احمد ندیم قاسمی ترقی پسند تحریک کے نمایندہ شاعر ہیں ان کی شاعری میں انسان دوستی کے مظاہر بھی ملتے ہیں اور رواداری، برداشت، بے تعصبی غرض معاشی، معاشرتی اور تہذیبی مسائل کا شعور بھی پایا جاتا ہے۔ انھوں نے سماجی زندگی کی مختلف جہتوں میں برداشت اور رواداری کی تعلیم دی اور اسے اپنی شاعری میں خوب صورتی کے ساتھ پیش کیا۔ انھوں نے شاعری کے تخلیقی عمل کے ذریعے ذات کے منتشر جذبوں کی تنظیم کی اور اس طرح اپنی ذات کی شناخت میں کامیاب ہوئے اسی دریافت کے عمل میں انھوں نے بالواسطہ اپنے عہد کی تہذیب کی عکاسی بھی کی۔

ندیم نے انسان کا جو تصور پیش کیا، اس میں ان کے ذاتی مشاہدات کا بڑا دخل ہے انھوں نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اس میں طبقاتی کشمکش کے ساتھ جہالت اور توہم پرستی ہر طرف موجود تھی۔ انسان ظلم کی چکی میں پس رہے تھے جہاں کسانوں اور محنت کشوں کا استحصال کیا جاتا ہے۔ انسانی حقوق کو پایمال کیا جاتا اور آدمیت کی تذلیل کی جاتی۔ اس تفریق اور تضاد نے ندیم کو کرب اور بے چینی میں مبتلا رکھا وہ جانتے تھے کہ سامراجی طاقتیں روپے پیسے اور اقتدار کی ہوس میں ہمیشہ امن کو تباہ کر دیتی ہیں۔ عزیز حامد مدنی لکھتے ہیں:

''ندیم صاحب کے یہاں بھی ایک تازہ فکر نو جوان شاعر کا پہلا تخلیقی استعجاب ملتا ہے جو سماج کے نشیب و فراز کی بے اعتدالیوں میں چھپا ہوا، ان کے قطعات میں آتا ہے''۔[1]

ندیم کی شاعری میں حکمران طبقے کے ظلم و ستم اور انصافی کے خلاف طنز بھی ملتا ہے اس سیاسی و سماجی مساوات اور جمہوریت کی عدم موجودگی کی وجہ سے ان میں بے زاری اور اکتاہٹ پیدا ہو جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں:

جانے کون رہزن ہے ، جانے کون رہبر ہے
گرد گرد چہرے ہیں ، آئنے مگدر ہیں[2]

ندیم انسان کی عدم مساوات کے خلاف جنگ لڑتے ہیں ان کے نزدیک انسان عدم تحفظ کا شکار ہے۔ انھوں نے اپنی شاہ کار نظم ''پتھر'' میں انسانیت کے اخلاقی اور تہذیبی زوال کو موضوع بنایا ہے۔

ریت سے بُت نہ بنا ، اے مرے اچھے فن کار
ایک لمحے کو ٹھہر ، مَیں تجھے پتھر لا دوں
جتنے معیار ہیں اس دور کے ، سب پتھر ہیں
جتنے افکار ہیں اس دور کے ، سب پتھر ہیں
شعر بھی ، رقص بھی، تصویر و غنا بھی پتھر
مرا الہام ، ترا ذہن رسا بھی پتھر
اس زمانے میں تو ہر فن کا نشاں پتھر ہے
ہاتھ پتھر ہیں ترے ، میری زباں پتھر ہے[3]

ندیم مفلس اور مظلوم انسانیت کا دکھ بانٹتے ہیں مگر ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہونے کی وجہ سے انسانیت کی تذلیل نے ان کے فن کو مقصدیت عطا کی۔ انسان کی عظمت پر یقین نے انھیں ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کرنے پر مائل کیا۔ ندیم انسانیت کے علمبردار ہیں، اس لیے انسان کو ذلت و رسوائی کی پستیوں سے نکالنا چاہتے ہیں۔

پرواز کو محدود نہ کر شام و سحر تک
انسان کی ہیں مملکتیں حدِ نظر تک[4]

یہی احساس ان کی نظموں ''زاویہء نگاہ''، ''روحوں کی انجمن''، ''عزمِ نو''، ''انتباہ''، ''استعجاب'' وغیرہ میں ہے۔ ندیم نے ان نظموں میں حالات کی تلخی کو پیش کیا بل کہ فنی تقاضوں کو مدِ نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے فکری لحاظ سے بھی ان حالات کے تجزیے کی کوشش کی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان تلخ حالات نے ان کی ادبی شخصیت پر منفی اثرات مرتب نہیں کیے۔ ندیم اگر ان حالات سے غیر مطمئن ہیں تو اس کی وجہ اجتماعی سوچ ہے ورنہ خود اپنی حد تک تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہی مشکلات یہی سختیاں انھیں آنے والی مزید کٹھن زندگی کا مقابلہ کرنے کے قابل بنائیں گی۔

ان کے ہاں ذہنی الجھنوں اور حالات کی شدت کے خلاف اُبھرتا ہوا احساس نظر آتا ہے یہ اور بات ہے کہ وہ مایوس نہیں ہوتے بل کہ ان حالات پر مسکرا اٹھتے

ہیں۔ بعض اوقات یہ مسکراہٹ حالات کے سامنے بے بسی کے اظہار کے طور پر اُبھرتی ہے تو کہیں حالات کے مقابلے کی خواہش کے اظہار کے طور پر سامنے آتی ہے۔ شاعر جب اپنی ذات کے حصار سے نکل کر گرد و پیش کے ماحول کو دیکھتا ہے تو اس کی نظر معاشرتی حقائق پر پڑتی ہے اور احساس ہوتا ہے کہ غم ہر دل کے مقدر میں ہے بس ہے یہاں پر معاشرے کے منجمد نظام، نا آسودگی بخش اقدار کے خلاف وہ رویہ اپنایا۔ وہ صرف ذاتی وجوہ کی بنا پر تلخی اور بے اطمینانی کا اظہار نہیں کرتے بل کہ اپنے دکھ کو معاشرے کے دکھ کے ساتھ وابستہ کر لیتے ہیں۔ وہ نظم ''بخشش'' میں یوں خدا تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں:

کسی کے ہاتھ میں تو نے تھما دیں
غریبوں کے مقدر کی لگامیں
کسی بدبخت کو بخشیں بصد ناز
فسردہ صبحیں اور پژمردہ شامیں

(بخشش)

ندیم نے اپنی شاعری کے ذریعے انصاف اور مساوات کا درس دیا اور طبقاتی ناہمواری سامراجی تشدد، آمرانہ طرزِ عمل، انسانیت سوز اور انسان دشمن عوامل کی ہر سطح پر مخالفت کی۔ انھیں جہاں بھی کہیں آمر اور جاگیرداروں کے ہاتھوں مظلوم طبقات کا استحصال ہوتا نظر آیا انھوں نے اس کے خلاف قلم اٹھایا اس کی بہترین مثال ان کی نظم ''بیسویں صدی کا انسان'' ہے۔ ندیم معاشرے میں عدل و انصاف، مساوات، رواداری کو عملی اور حقیقی طور پر زندگی میں کارفرما دیکھنے کے خواہشمند ہیں۔ وہ استفہامیہ انداز میں کہتے ہیں:

کوئی سورج سے پوچھے، عدل کیا ہے حق رسی کیا ہے
کہ یکساں دُھوپ بٹتی ہے صغیروں میں کبیروں میں[5]

ندیم انسان کی زندگی سے کرب کے تمام باب نکال دینا چاہتے ہیں وہ رفع شر اور طلبِ خیر کے حامی ہیں وہ اس انسان کے قائل ہیں جو زمین کو سنوارتا ہے جس کے دم سے کائنات کی چہل پہل ہے۔ حیات و کائنات میں بنی نوعِ انسان کے ارفع مقام کا اظہار ندیم نے اپنی نظم ''انسان'' میں کیا ہے۔

ندیم ایسے انسانوں کو تلاش کرتے ہیں جو خیر کی قوتوں کو فروغ دیں اور شر کے خلاف آواز بلند کریں۔ ان کے نزدیک انسان بنیادی طور پر نیک ہے اس لیے وہ انسان کی فطرت میں شامل جذبہء خیر کی قدر کرتے ہیں اور احترامِ آدمیت کا درس دیتے ہیں اگر انسان شر اور بے تعصبی پر قابو پا لے تو معاشرہ امن کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ اس لیے ندیم ایسے انسانوں کی تلاش کرتے ہیں جو خیر کا نمائندہ بن کر سامنے آئے۔ کیوں کہ ہر انسان کے اندر خیر کا جذبہ موجود ہوتا ہے اور انسان اس خیر کے عنصر کو قبول کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔

ندیم احترامِ آدمیت کا درس دیتے ہیں۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین فطرت پر پیدا کیا ہے۔ یہ خدا کا نائب ہے۔ ندیم اپنی نظم ''انسان عظیم ہے خدایا'' میں خدا کو مخاطب کر کے اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ اس کی عظمت اپنی جگہ پر قائم ہے لیکن انسان جو اس خدا کی مخلوق ہے وہ بھی عظیم ہے

تو وقت ہے، روح ہے، بقا ہے
وہ حسن ہے رنگ ہے صدا ہے
تُو جیسا ازل میں تھا سو اب ہے
وہ ایک مسلسل ارتقا ہے
ہر شے کی پلٹ رہا ہے کایا
انسان عظیم ہے خدایا[6]

ندیم کے نزدیک انسان ایک ایسی ہستی ہے جسے قدرت نے رفعتوں سے نوازا ہے اور جس کے وجود سے کائنات نے نشو و نما پائی ہے۔ انسان کو اس کے جذبہء انسانیت کی وجہ سے اس قدرت عزت و منزلت دی گئی کہ وہ کائنات کا مرکزی نقطہ ٹھہرا اور فرشتوں کو انسان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

ندیم کا ایقان ہے کہ انسان خود اپنی تخلیق ہے کیوں کہ خدا نے آدمی بنایا اور آدمی نے خود اپنے آپ کو انسان بنایا جو خدا کے تخلیق کردہ آدمی سے زیادہ بہتر ہے جس کے خمیر میں محبت ہمدردی شامل ہے۔ جو برداشت، بے تعصبی اور رواداری کے فروغ کے لیے کوشاں ہے جو انسان میں ندرت اور نکھار پیدا کرتی ہے۔ ندیم ایسی اخلاقی قدروں کو فروغ دینا چاہتے ہیں جو انسانیت کو تحفظ فراہم کر سکیں تا کہ انسانوں کے مابین تعاون، محبت، دوستی، رواداری اور برداشت کے جذبات پروان چڑھ

سکیں۔ ندیم کی خواہش ہے کہ انسان امن وسلامتی کا دامن کبھی نہ چھوڑے تا کہ یہ دھرتی امن کا گہوارہ بن جائے۔ ندیم انسانیت کے وصف پر زور دیتے ہیں اور یہی انسان کا اصل سرمایہ ہے جس کا حصول ہی انسان کا حاصل حیات ہے جوش ملیح آبادی لکھتے ہیں:

''شاعری اور انسانیت کے اس پیمبرانہ معیار پر نگاہ کر کے جب قاسمی کی جانب نظر اٹھاتا ہوں تو بلا خوفِ ابطال یہ نعرہ لگاتا ہوں کہ قاسمی حقیقی شاعر اور انسانیت وشعریت کا ایک ایسا دل کشا سنگم ہے جس کا اور جوڑ نہیں مل سکتا''۔[۷]

ندیم کو اعتماد ہے کہ انسانیت زندہ ہے اس لیے مایوس نہیں بل کہ امید کا دامن پکڑے رکھتے ہیں۔ ناہید قاسمی ان کی امید کے متعلق لکھتی ہیں:

''ندیم کی امید، حسبِ معمول زندہ اور توانا ہے اور توقع، سلامت ہے اسی لیے امکان قائم و برقرار ہے۔ بہ ہر حال ان کا تصورِ انسان و انسانیت توقعاتِ انسانی اور عالمگیر بھلائی سے معمور ہے''۔[۸]

ندیم ایک منصفانہ معاشرے کا قیام چاہتے تھے اور اس کے لیے ایسی اقدار کو فروغ دینا چاہتے تھے جو اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بننے کے بجائے اس کے لیے معاون ثابت ہوں۔ اس لیے ندیم کھوکھلے معاشرتی نظام، سامراج کی جابرانہ پالیسیوں اور طبقاتی نظام کو ختم کرنے کے لیے کوششیں کیں اور تعصبات، ناانصافی، خود غرضی اور دیگر سماجی برائیوں سے پاک معاشرے کے قیام کے لیے کوشاں رہے۔ رواداری کا یہی وہ جذبہ تھا جس کی وجہ سے وہ ہر حال میں انسان کو پُر وقار مقام پر اور محبت و ہمدردی سے بھرپور کیفیت میں دیکھنا چاہتے تھے۔

آصف ثاقب ''ندیم کے دبستانِ شاعری'' میں لکھتے ہیں:

''اس نے خانوں میں بٹی ہوئی پریشان حال انسانیت کو یکساں اور مطمئن دیکھنے کے خواب آنکھوں میں سجا رکھے ہیں''۔[۹]

عالمی امن کا قیام ندیم کا خواب تھا۔ اس خواب کی تعبیر تلاش کرنے میں انھوں نے تمام عمر بسر کی۔ وہ ایسے معاشرے کے قیام کے خواہشمند تھے جہاں محبت کا راج ہو۔ جہاں فرقہ پرستی کے بجائے بھائی چارے کی فضا قائم ہو۔ جہاں کشیدگی کے بجائے باہمی تعاون کارفرما ہو۔ جہاں قلبی اور روحانی سکون ہو جہاں رواداری ہو۔ جہاں دہشت گردی اور بربریت کی فضا نہ ہو۔ جہاں ضد، انانیت، ہٹ دھرمی کا بسیرا نہ ہو۔ جہاں حقائق کو اس کے صحیح تناظر میں دیکھا جائے۔ وہ ہر انسان کو محبت کی لڑی میں پرونا چاہتے ہیں۔ ان کی تمنا ہے:

گل ترے دل میں کھلیں، اور مہک جاؤں مَیں
اسی رشتے میں ہر انساں کو پرونا چاہوں

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''دراصل ندیم ایک جہانِ نو کی تشکیل کے لیے کوشاں ہے معاشی انصاف میں اعتقاد رکھتا ہے اور نوعِ انساں کو خوشحال دیکھنا چاہتا ہے''۔[۱۰]

ندیم کو ہماری ادبی تاریخ میں بلند مقام حاصل ہے۔ وہ انسانی عظمت اور محبت کے شاعر ہیں اور معاشرے میں برداشت اور رواداری کے پیغامبر ہیں۔ انسان دوستی اور سماجی مساوات ان کی شاعری کے بنیادی اوصاف ہیں۔ ندیم نے ہمیشہ ایک ایسے انسان کا خواب دیکھا جو اس خاردار جہان کو گل وگلزار بنا دے۔ ندیم اجتماعی زندگی میں عدل، معاشرتی مساوات، رواداری کے قیام کو شاعری کا حسن قرار دیتے ہیں۔ ''وطن کے لیے ایک دعا'' نظم ہے جو ہر پاکستانی کے دل کی ترجمانی کرتی ہے۔ شاید ہی کوئی محبِ وطن ہو جس کے لبوں سے زندگی میں کبھی وطن کے لیے ایسی دعا نکلی ہو اور دعا وہی دیتا ہے جو معاشرے میں امن و امان، رواداری، محبت، برداشت کو پروان چڑھانے میں کوشاں ہو۔

خدا کرے کہ مری ارضِ پاک پر اترے
وہ فصلِ گل، جسے اندیشہء زوال نہ ہو

یہاں جو پھول کھلے، وہ کھلا رہے برسوں
یہاں خزاں کو گذرنے کی بھی مجال نہ ہو

یہاں جو سبزہ اُگے، وہ ہمیشہ سبز رہے
اور ایسا سبز کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو

ہر ایک فرد ہو تہذیب و فن کا وجِ کمال
کوئی ملول نہ ہو، کوئی خستہ حال نہ ہو

خدا کرے کہ مرے اک بھی ہم وطن کے لیے
حیات جرم نہ ہو ، زندگی وبال نہ ہو

خدا کرے کہ مری ارضِ پاک پر اُترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو[۱۱]

حواشی

۱:۔ عزیز حامد مدنی ’’جدید اردو شاعری‘‘ حصہ دوم، انجمن ترقی اردو کراچی، طبع اوّل، ۱۹۹۴ء، ص ۴۷۔

۲:۔ احمد ندیم قاسمی ’’ندیم کی غزلیں‘‘ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۳۳

۳:۔ احمد ندیم قاسمی ’’ندیم کی نظمیں‘‘ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ص ۴۸۶، ۴۸۷۔

۴:۔ احمد ندیم قاسمی ’’دشتِ وفا‘‘ اساطیر پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۳۲۔

۵:۔ احمد ندیم قاسمی ’’لوحِ خاک‘‘ اساطیر پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۲۷۔

۶:۔ احمد ندیم قاسمی ’’شعلۂ گل‘‘ اساطیر پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۶۹، ۷۰۔

۷:۔ جوش ملیح آبادی ’’احمد ندیم قاسمی حقیقی شاعری‘‘ مشمولہ ’’مٹی کا سمندر‘‘ مرتبہ ضیا ساجد، مکتبہ القریش، ۱۹۹۱ء، ص ۵۴۹۔

۸:۔ ڈاکٹر ناہید قاسمی ’’ندیم کی غزلوں کا تجزیاتی مطالعہ‘‘ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ص ۲۰۷۔

۹:۔ آصف ثاقب ’’ندیم کے دبستانِ شاعری‘‘ مشمولہ افکار کراچی ندیم نمبر، مرتبہ صہبا لکھنوی، جلد ۳۰، شمارہ ۵۸، ۵۹، جنوری فروری ۱۹۷۵ء، ص ۴۴۹۔

۱۰:۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ’’ادبِ وطن‘‘ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، جون ۱۹۸۷ء، ص ۸۳، ۸۴۔

۱۱:۔ احمد ندیم قاسمی ’’ندیم کی نظمیں‘‘ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔